میرؔ کی شاعری میں سوز وگداز

Teaching Lecture

Subject : Urdu
Class : B.A. (Hons.) I
Topic : Meer Ki Shaeri Me Sozo gudaz
Author : Dr. Fatahullah Quadri
Lecture Series No. : 37

میر کے بارے میں کہا جاتا ہے ان کی شاعری واردات قلبی کا اظہار ہے،اس میں جذبات واحساسات کی حقیقت پسندانہ عکاسی ملتی ہے ۔درست،لیکن یہ بات کا صرف ایک پہلو ہے ۔میر محض جذبات کے شاعر نہیں ہیں ۔بقول جعفرعلی خاں اثر ،ان کی شاعری میں فکراور جذبہ اس طرح گھل مل جاتا ہے کہ بعض اوقات یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کون سی چیز کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے ۔

عموماًلوگ سہل پسندی کے سبب میر کی شاعری کو جذبہ و دل کے بے ساختہ اظہار کی اور غالب کی شاعری کو تعقل اور صناعی کی شاعری قرار دے دیتے ہیں ۔کسی پیچیدہ خیال اور گہری فکر کے سبب ہم شاعر کو فلسفی کہہ دیتے ہیں ۔ یہ صورت حال بھی گمراہ کن ہے ۔میر یا غالب کے ہاں فلسفے کی تلاش بے سودگی ،باقاعدہ ڈسپلن کے طور پر شاعری میں فلسفہ برتنے پر تو اقبال پر بھی کھڑے کئے جاسکتے ہیں ۔ان شعراء کی بنیادی اہمیت فلسفوں کی وجہ سے نہیں بلکہ شعری اظہار پر قدرت اور ندرت بیان کے سبب ہے ۔البتہ فکر کی گہرائی ان شعراء کے کلام کو ایک خاص اعتبار اور علویت بخشتی ہے ۔میر کی فکری شاعری کے حوالے سے آل احمد سرور نے میر پر اپنے ایک مضمون میں بڑے سلیقے سے میر کی فکر کو غالب اور اقبال کی فکر سے ممیز کیا ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ میر کے ہاں ”اظہار کا حسن بعض اوقات فکر کی لطیف تابانی کی طرف سے توجہ ہٹادیتا ہے ۔غالب اور اقبال کو اپنے افکار کو اظہار بنانے میں جو پاپڑ بیلنے پڑے وہ میر نے نہیں بیلے ۔غالب اور اقبال کو پتھر نچوڑنے پڑے ،میر کے جذبے کی آنچ سے پتھر خود پگھل گئے ۔“

حقیت یہ ہے کہ میرؔ کے کلام میں ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے جس میں فکر کا عمل حاوی ہے اور خیال کی پیچیدگی اور اظہار کی ندرت ہمیں یہ بتادیتی ہے کہ میر کا یہیں رنگ ہے جس کے سبب غالب میر کے اس قدر معترف ہیں اور ریختے میں ان کی استادی کو کشادہ دلی سے قبول کرتے ہیں ۔اس رنگ کے چند اشعار پر نظر ڈالتے چلیں:

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا اب جس جگہ کہ داغ ہے یہاں پہلے درد تھا
مانند حرف صفحۂ ہستی سے مٹ گیا دل بھی مرا جریدۂ عالم میں فرد تھا

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ، یہ دل ہے کیا
ایسے ناداں ربا کے ملنے سے حاصل ہے کیا

اگتے تھے دست و بلبل و دامان و گل بہم
صحنِ چمن نمونۂ یوم الحساب تھا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر طرف
اے کشتۂ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا

سب کھلا باغِ جہاں الاّ یہ حیران و خفا
جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنچہ تھا تصویر کا

داغِ فراق و حسرت وصل، آرزوے شوق
میں ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا

رنگ گل و بوے گل ہوتے ہیں ہوا دونوں
کیا قافلہ جاتا ہے جو تو بھی چلا چاہے

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہاے رے صرفہ نگاہ کا

معمور شرابوں سے، کبابوں سے ہے یہ سب دیر
مسجد میں ہے کیا شیخ، پیالا نہ نوالا

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے
نگاہ مست نے ساقی کی انتقام لیا

دیکھو نہ چشم کم سے معمورۂ جہاں کو
بنتا ہے ایک گھر یاں سو صورتیں بگڑ کر

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ان اشعار کے مضامین اور لفظیات ہمیں غالب کے ڈکشن کی یاد دلا دیتے ہیں۔

میرؔ کی ایک خاص ادا یہ ہے کہ وہ عشق کو، اس سے پیدا ہونے والی دل کی بے کلی اور حزن کو بجا کسی بے نام جذبے، انجانے درد سے تعبیر کرتے ہیں یا اس کے تئیں تجاہل برتتے ہوئے قاری کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ واقعی عاشق کے حزن و ملال کا وہ احساس جو دل میں ہمیشہ چبھن پیدا کرتا رہتا ہے، لفظوں میں بیان کرنا مشکل کام ہے اور بس اسی طرح اس کا اظہار کیا جا سکتا ہے جیسے میر نے کیا ہے۔ اس کا اندازہ ذرا ان اشعار سے لگایئے:

کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے

ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

عشق و محبت میں کیا جانوں، لیکن اتنا جانوں ہوں
اندر ہی اندر سینے میں میرے دل کو کوئی کھاتا ہے

کیا جاتا ہے اس میں ہمارا، چپکے ہم تو بیٹھے ہیں
دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا، ناصح کو سمجھانے دو

خون ہوا ہے، چاک ہوا ہے، جلتے جلتے داغ ہوا
خواہش اس کو کیا ہے بارے، کس کے لیے بیدل ہے دل

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

دے لوگ تو نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

❁❁❁❁❁